# عہدِ مغلیہ یورپی سیاحوں کی نظر میں

پروفیسر محمد عمر، شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

**کھانا:** ان کے کھانا کھانے کا وقت مقرر نہ تھا۔ دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے وہ اپنے ہاتھ دھو لیا کرتے تھے۔ دسترخوان زمین پر بچھایا جاتا تھا۔ ان کی غذا چاول، پلاؤ، دو پیازہ بھنے ہوئے گوشت اور دوسری چیزوں پر مشتمل تھی۔ ان کے کھانوں میں گرم مسالے کا بہت زیادہ استعمال کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے قابوں میں یہ کھانے رکھے جاتے تھے۔ سرائچی (یا ملازمین کا نگراں) بیچ میں بیٹھتا تھا اور ان کے عہدوں کے لحاظ سے مہمانوں کو کھانا دیتا تھا۔ سب سے اعلیٰ عہدہ دار کو سب سے پہلے کھانا دیا جاتا تھا۔ کھاتے وقت چمچوں اور چھریوں کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ لوگ ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے۔ انگلیوں کے جوڑ تک انگلیاں سن جاتی تھیں۔ "انگلیوں کے چاٹنے" کو بدتمیزی سمجھا جاتا تھا۔ بائیں ہاتھ سے کسی کھانے کی چیز کو نہیں چھوتے تھے۔ ہر ایک مہمان صرف اسی کھانے پر اکتفا کرلیتا جو اس کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت جب تک وہ خدا کا شکر ادا نہ کرلیں اور ہاتھ نہ دھو لیں، نہ تو پانی اور نہ ہی شراب جیسی کوئی دوسری چیز پیتے تھے۔

**حرم:** (زنان خانہ) پلیسرٹ کے اندازے کے مطابق ان کے محل چہار دیواری کے اندر ہوتے تھے۔ اندر کی طرف شہوت پرستانہ ہوس رانی، شوخ اور بے دھڑک رنگ رلیوں، عورت سے زیادہ کروفر، بڑھے ہوئے تکبر اور آرائشی خوشگوار چیزوں کا ماحول ہوتا تھا۔ ان امراء کی تین چار بیویاں ہوتی تھیں جو "باحیثیت لوگوں کی بیٹیاں" ہوتی تھیں۔ ان [illegible] کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

یہ سب بیبیاں ایک ساتھ محل میں رہا کرتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ کمروں کا بندوبست ہوتا تھا اور " اسکی حیثیت کے مطابق" اس کی ذاتی خدمت کے لئے دس، بیس اور سو غلام لڑکیاں مقرر کی جاتی تھیں۔ ان کے ذاتی اخراجات کے لئے ان میں سے ہر ایک کو " پابندی سے ماہانہ وظائف ملتے تھے"۔ ان کا شوہر جس قدر ان سے محبت کرتا تھا اسی مناسبت سے انہیں جواہرات اور ملبوسات فراہم کئے جاتے تھے۔

ایک ہی باورچی خانے سے ان سب کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر ایک اپنا کھانا اپنے کمرے میں لے جاتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ایک دوسرے سے رقابت رکھتی تھیں لیکن ان میں اس بات کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس بات کو ظاہر کریں اور اس کا ان کے شوہر کو علم ہو جائے کیونکہ وہ اس کی سرپرستی سے محروم ہونا نہیں چاہتی تھیں ۔۔ ایک آدمی کے بجائے "ایک خدا کی طرح" وہ اپنے شوہر سے ڈرتیں، اس کا ادب و احترام کرتیں اور اسکی پرستش کرتی تھیں "

ہر رات کو ایک امیر" مخصوص ایک بیوی یا محل کے ساتھ رات بسر کرتا تھا۔ اس کا وہ بڑے پرتپاک سے خیر مقدم کرتی تھیں اور اس کی غلام لڑکیاں اس موقعے پر مخصوص لباس زیب تن کرتی تھیں۔ وہ اس قدر مستعدی دکھاتی تھیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ وہ اپنے فرائض انجام دینے کے لئے دوڑنے کے بجائے اڑ رہی تھیں " موسم گرما میں جب گھر کا مالک اندر آتا تو اس کے کپڑے اتارتیں " اور اس کے جسم پر صندل یا گلاب جل یا عطریات سے بسا ہوا اور ٹھنڈا تیل لگاتیں۔ کمرے یا کھلی ہوا میں جہاں وہ بیٹھتا تو اس پر دھیرے دھیرے پنکھا جھلا جاتا ان میں سے بعض لڑکیاں اس کے ہاتھوں اور پیروں کی مالش کرتیں۔ بعض دوسری گانا گاتیں یا باساز رقص و سرود کرتیں۔ اس طرح وہ اس کی " تفریح طبع " کا سامان مہیا کرتیں جبکہ اس کی بیوی سارے وقت اس کے قریب بیٹھی رہتی "

امیروں کی بیبیاں رات دن " جذبات برانگیختہ کرنے والی خوشبوؤں مثلاً موسوری یا فلیج " تیار کرنے کے طریقے سیکھنے میں لگی رہتیں جو " عنبر، سونے، افیون اور نشہ آور دوسری چیزوں سے تیار کی جاتی تھیں "۔ شام کے وقت وہ شراب نوش کرتیں، یہ ایک ایسی عادت تھی جو انہوں نے اپنے شوہروں سے سیکھی تھی۔ فی الحقیقت شراب نوشی کا رواج ایک فیشن بن گیا

تھا۔ پلیسرٹ نے لکھا ہے کہ "شہری مرغیوں کے درمیان ان کا شوہر آدھی رات تک یا جب تک اس کے جذبات ٹھنڈے نہ ہو جاتے یا نشہ اسے بستر استراحت تک نہ پہنچا دیتا، فلاں ایک مرغ کی طرح بیٹھا رہتا ہے۔ اگر وہ کسی غلام لڑکی پر فریفتہ ہو جاتا تو وہ اسے اپنے قریب بلاتا اور اس بات پر کوئی بیوی کسی غصے کا اظہار نہ کر سکتی حالانکہ بعد میں وہ "اسی غلام لڑکی کو اپنی بیوی بنا لیتا۔"

دو یا تین بنگالی خواجہ سرا (جو عام طور پر اپنے مالکوں کے بڑے وفادار ہوتے تھے) ہر بیوی کی حفاظت کے لئے مقرر کئے جاتے تھے تاکہ "اس کے شوہر کے علاوہ" دوسرا کوئی شخص اسے دیکھ نہ سکے۔ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں ان سے کوئی کوتاہی واقع ہوتی تو ان کی گردن مار دی جاتی۔ محل کا سارا بند و بست انکے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ مالک ان کا احترام کرتے تھے اور اس کی بیبیاں ان کا بڑا لحاظ کرتی تھیں۔ سواری کے لئے انہیں عمدہ گھوڑے، گھر کے باہر ان کی خدمت کے لئے مرد نوکر، اور اندر کے لئے غلام خواتین۔ اور ایسے بھڑکیلے ملبوس دیئے جاتے تھے جیسے ان کے مالک خود زیب تن کرتے تھے۔

امیروں کی بعض بیبیاں "پاک دامن" ہوتی تھیں لیکن "بہت کم ایسی ہوتی تھیں جن کا ذکر کیا جائے۔" پلیسرٹ نے لکھا ہے کہ "یہ مصیبت زدہ عورتیں درحقیقت بہت قیمتی کپڑے پہنتیں نفیس ترین کھانے کھاتیں اور اس ایک دنیا کی تمام خوشبوؤں سے محظوظ ہوتیں، لیکن اس ایک کے لئے رنجیدہ رہتیں۔ وہ یہ کہا کرتی تھیں کہ ایک بھکاری کے افلاس کے بدلے میں بخوشی وہ اپنا سب کچھ دیدیں گی۔"

## علم نجوم پر عقیدہ:

بادشاہ کی طرح امراء بھی منجموں پر عقیدہ رکھتے تھے۔ جب تک مبارک گھڑی یا دن کا یقین نہ ہو جاتا، مغل لوگ کسی سفر پر روانہ نہ ہوتے تھے۔ جب وہ کسی سفر سے واپس لوٹتے تو اس وقت تک وہ شہر کے اندر داخل نہ ہوتے جب تک پیشین گوئی کردہ گھنٹہ نہ آجاتا۔

## ملازمین:

اپنے مالکوں کے گھوڑے کے سامنے دوڑنے، ظاہری نمائش کے لئے یا گھروں میں کام کرنے کے لئے وہ نوکر رکھتے تھے۔ یہ چپراسی اپنے فرائض بخوبی جانتے تھے علاوہ اس

کے گھوڑے کی دیکھ ریکھ کرتا اور فراش اس کے خیموں کا انتظام کرتا۔ دوران سفر میں اور ساتھ ساتھ گھر میں قالینیں بچھاتا اور اس کے دیوان خانے کی دیکھ بھال کرتا۔ اور مشعلچی (مشعل بردار) روشنی کا انتظام کرتا اور شام کو چراغ اور موم بتیاں روشن کرتا، ساربان، اونٹ چلانے والا اونٹوں کی دیکھ بھال کرتا، مہاوت، ہاتھیوں کی دیکھ بھال کرتا۔ بیل بان۔ گاڑی اور بیلوں کی دیکھ بھال کرتا۔ ہرکارے گھنٹیاں بجاتے ہوئے برق رفتاری سے دوڑتے۔ اپنے سروں میں وہ ایک کلغی لگاتے اور کمر کی پیٹیوں میں گھنٹیاں لگاتے۔ وہ لوگ پابندی سے پوست کھاتے جس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ جب وہ دوڑتے تو "بدحواس" معلوم ہوتے۔ اکثر ۵ا سے ۲۰ کوس کی طویل مسافت برق رفتاری سے وہ ایک دن میں طے کر لیتے۔ وہ ایسے سوالات کا جواب نہ دیتا "تم کہاں سے آرہے ہو یا تم کہاں جا رہے ہو" لیکن سیدھا آگے چلے جاتے کیونکہ خبروں کے پہونچانے میں ان کی ذراسی لاپرواہی یا تاخیر ان کے مالک کے لیے باعث تذلیل یا بدنامی ثابت ہوگی جو سرکاری عہدہ دار یا صوبہ دار تھے۔

بڑی رقم مہیا کرنے کے بعد وہ لوگ اپنے ملازمین کی تنخواہیں ادا کرتے تھے۔ ان میں سے بیشتر ایک ماہ کے چالیس دن شمار کرتے تھے۔ وہ لوگ انہیں ایک مہینے میں ۳ یا ۴ روپے بطور تنخواہ دیتے تھے۔ اکثر کئی مہینوں تک ان کی تنخواہیں بقایا رہتی تھیں۔ ان کی تنخواہیں "پھٹے پرانے کپڑوں اور دوسری چیزوں کی صورت میں ادا کی جاتی تھی۔

ان ملازمین میں سے بہت کم لوگ اپنے مالکوں کی ایمانداری سے خدمت کرتے تھے۔ جو کچھ وہ چرا سکتے تھے وہ چرا لیتے تھے۔ جب کبھی ان کا مالک کوئی چیز لاتا تو وہ اس سے دستوری (کمیشن) طلب کرتے۔ بہر حال اگر ان کا مالک کسی عہدہ پر فائز ہوتا یا برسر اقتدار ہوتا تو پلسیرٹ نے لکھا ہے! وہ لوگ گستاخ ہو جاتے، معصوموں کے ساتھ ظلم و تشدد کرتے۔ اور اپنے مالک کے اقتدار کے بل بوتے پر گناہ کے مرتکب ہوتے۔

ان کے مالکوں کے مرنے کے بعد ان کی افسوس ناک حالت کا ذکر پلسیرٹ نے ذیل سطور میں کیا ہے۔
"بعض لوگ ایک ایسے آدمی کو دیکھ سکتے ہیں جس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنی پگڑی کا طرہ ایک طرف رکھتا تھا اور اس تک رسائی اتنی ہی مشکل تھی جتنی کہ اس کے مالک تک۔ اب وہ

پھٹا ایک لبادہ پہنے اور افسردہ چہرہ لئے ادھر ادھر دوڑتا پھرتا نظر آتا ہے کیونکہ پیدا ہوتے ہی کچھ بڑے لوگ دوسرے مالکوں کے ہاں اسی طرح کی نوکریاں حاصل کریں اور وہ لوگ ادھر ادھر اس طرح پھرتے ہیں جیسے کہ زندگی میں وہ موت کی تصویر ہوں کیونکہ ان میں چھوٹوں کو میں نے اچھی حالت میں دیکھا ہے۔"

## (۶) عوام

**غربت اور افلاس:** ہندوستان کے لوگ غربت میں زندگی بسر کرتے ہیں جیسے غربت اتنی زیادہ تکلیف دہ ہے کہ لوگوں کی زندگی کی تصویر کشی یا ان کی اصلی حالت صرف ایسی صورت میں بیان کی جا سکتی ہے جیسے کہ ایک گھر جس میں افلاس کا دور دورہ ہو یا ایک ایسی رہائش گاہ جہاں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ پھر بھی لوگ یہ کہتے ہوئے کہ وہ اس سے اچھی حالت کے مستحق نہ تھے، تمام اپنے مصائب بڑے "صبر و تحمل" سے برداشت کرتے تھے صوبہ دار اور دوسرے عہدہ داران کاشتکاروں پر بڑے مظالم توڑتے تھے۔ جو لوگ کاشتکاری کے لئے لگان پر لی جانے والی زمینوں کے لگان کے ادا کرنے کے قابل نہ تھے انہیں سزا دی جاتی تھی۔ ان کی بیبیوں اور بچوں کو فروخت کر دیا جاتا تھا۔

**صناع اور دستکار:**

مصور، درزی، سُنار، لہار، تانبے کے زیورات بنانے والے۔ قالین ساز کشیدہ کار سوتی یا ریشم بننے والے (جلاہے) معمار، پتھر توڑ، ٹھیکیدار (مکان بنانے والے) وغیرہ ان میں شامل تھے۔ دن بھر کی مزدوری انھیں صرف ۵ یا ۶ ٹکے ملتے تھے۔

سرکاری طبقے کے لوگ، گورنر، دیوان، بخشی، کوتوال اور آخر میں امرا ان کے ساتھ ظلم و ستم کرتے تھے۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ انکے یہاں آنے اور کام کرنے کو تیار تھے یا نہیں، انھیں "گھروں یا سڑکوں" سے پکڑ لیا جاتا تھا۔ اگر وہ آنے سے انکار کرتے تو ان کی "اچھی خاصی مرمت کی جاتی تھی" عام طور پر شام کو انھیں آدھی مزدوری ادا کر دی جاتی تھی۔

**چپراسی:**

معمولی ملازمین کو "چپراسی" کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد بہت بڑی تھی۔ یہاں تک کہ سپاہی تاجر اور عہدہ داران اپنی حیثیت کے مطابق انھیں نوکر رکھتے تھے۔

## غذا:

وہ لوگ گوشت کے ذائقہ سے نابلد تھے۔ وہ لوگ "بدمزہ" کھچڑی روزانہ کھاتے تھے۔ جو مونگ دال اور چاول سے بنائی جاتی تھی اور پانی میں ڈال کر ہلکی آنچ سے پکائی جاتی تھی۔ وہ اسے شام کے وقت گھی ملاکر گرم گرم کھاتے تھے۔ دن کو وہ دوسرے اناجوں میں ملی تھوڑی سی دال چبالیتے تھے۔

## مکانات:

ان کے مکانات مٹی کے بنے تھے جن پر چھپر پڑے تھے۔ ان کے گھر کا سارا سازوسامان چند مٹی کے برتنوں اور دو چار پائیوں پر مشتمل تھا، ان میں سے ایک شوہر اور دوسری بیوی کے لئے ہوتی تھی۔ ان کا بستر بہت مختصر ہوتا تھا۔ "شاید ایک یا دو چادر، جو بچھانے اور اوڑھنے کا کام دیتے تھے۔" موسم گرما میں ان کے لئے یہ بستر کافی تھا۔ موسم سرما میں کنڈوں کی آگ سے خود کو سینکتے تھے۔ جو دروازوں کے باہر جلا دئے جاتے تھے اور اس کا دھواں سارے شہر میں پھیل جاتا تھا۔ وہ دھواں اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے گلا گھٹ رہا ہو۔

## دوکاندار:

چاہے وہ لوگ کسی چیز کا کاروبار کرتے ہوں۔ ان کا "بڑا احترام" کیا جاتا تھا ان میں سے بعض دولتمند تھے۔ اپنی مفلسی کے اظہار کے بارے میں وہ لوگ بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ پلسرٹ نے لکھا ہے کہ "انھیں ایسا کرنا بھی نہیں چاہیئے کہ حقیقت دیکھ لی جائے ورنہ انھیں جعلی الزامات کا شکار ہونا پڑے گا اور جو کچھ ان کے پاس ہوگا وہ قانونی طور پر ضبط کرلیا جائے گا۔ کیونکہ گورنروں کے مخبروں کے جھنڈ چاروں طرف پھرتے تھے۔" وہ لوگ اس ضابطے کے پابند تھے کہ اگر کسی گورنر یا امیر کو ان کی چیزوں کی ضرورت ہوتی تو انھیں چھوٹی سی چھوٹی چیز ان کے ہاتھ آدھی قیمت پر فروخت کرنی پڑتی تھی۔"

## برہمن:

ان میں سے بعض "اختراع پسند اچھے نجومی تھے" ستاروں کی رفتار سے واقفیت رکھتے

تھے اور عوام کی حالت کے بارے میں صحیح تصویر پیش کرتے تھے۔ "بہت واضح طور پر وہ لوگ چاند اور سورج گرہن کا حساب لگاتے تھے۔ وہ قسمت کے بارے میں بھی بتاتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ملک کے بڑے لوگوں پر اپنا بہت زیادہ اثر قائم رکھا تھا۔" ان آوارہ گردوں کی بڑی ایک جماعت ہاتھوں میں کتابیں لئے سڑکوں اور گلیوں میں پھرتی تھی۔ غریب لوگ انھیں بزرگ کہتے اور ان پر عقیدہ رکھتے تھے۔

## محرّران اور دلال لوگ!

وہ لوگ "امیروں کے محلوں اور مسلمان تاجروں کا سارا کاروبار چلاتے تھے۔ وہ لوگ حساب کتاب رکھنے اور خرید و فروخت کرنے کا سب کام کرتے تھے۔ وہ لوگ" بالخصوص چالاک دلال تھے۔" گھوڑے، ہاتھی، اونٹ اور بیل کے فروخت کرنے کے معاملات کے علاوہ سارے ہندوستان میں وہ لوگ اسی حیثیت سے نوکر رکھے جاتے تھے۔

## راجپوت!

وہ لوگ پہاڑی ملک میں رہتے تھے۔ وہ لوگ باہمت، بہادر، ثابت قدم اور وفادار ہوتے تھے۔ وہ لوگ قد میں چھوٹے اور بدشکل ہوتے تھے۔ ان کے اسلحات چاہے وہ گھوڑ سوار ہوں یا پیدل، چھوٹے ایک نیزے، ڈھال، تلوار اور ایک خنجر پر مشتمل ہوتے تھے۔ "دھیرے دھیرے وہ پیچھے ہٹتے تھے لیکن حملہ کرنے میں ہٹیلے ہوتے تھے۔ وہ لوگ افیون کھاتے تھے جو ان میں جوش پیدا کر دیتی تھی اور انھیں ایسا بنا دیتی تھی کہ وہ زندگی کی بہت کم پرواہ کرتے تھے۔ گائے کے گوشت کے سوا وہ لوگ ہر قسم کا گوشت کھاتے تھے وہ شراب بھی پیتے تھے۔ دوران جنگ میں ان کا بڑا لحاظ رکھا جاتا تھا لیکن امن کے زمانے میں ان کے ساتھ "سرد مہری" کا سلوک کیا جاتا تھا کیونکہ محلوں اور شاہی پڑاؤں میں وہ لوگ مغلوں اور ہندوستانیوں کے مقابلے میں بہت کم صلاحیت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

## رقاصائیں!

گانے اور رقص کرنے والی عورتیں تین قسم کی ہوتی تھیں جو شادی کے جشنوں میں لوگوں کی تفریح طبع کے لئے بلائی جاتی تھیں۔ وہ بیسواؤں کی اولاد میں سے تھیں جو فارس سے لائی گئی

تھیں۔ وہ صرف فارسی زبان میں گانا گاتی تھیں۔ دوسری قسم ڈومنیوں کی تھی جو ہندوستانی زبان میں گانا گاتی تھیں۔ ان کے گانوں کو بہت دلکش سمجھا جاتا تھا وہ فنکارانہ انداز میں رقص کرتی تھیں۔ وہ لاتعداد تھیں۔ تیسری قسم ہرکرنیوں کی تھی جو "متعدد طریقوں سے گاتی اور رقص کیا کرتی تھیں۔ دوگروں سے میل جول رکھنے کے بارے میں انہیں شہرت حاصل تھی۔

## (۷) مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور توہمات

**سنی اور شیعہ:** ایرانی، ازبک اور تاتاری شیعی مذہب کے جبکہ ترک، عرب اور ہندوستانی بیشتر سنی مذہب کے پیرو تھے۔ ان دونوں مذہبی فرقوں میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ ان میں ہر ایک دوسرے کو "کافر" کہتا تھا۔ شیعوں کو "روافض" کہا جاتا تھا۔

**مسلمان اور ان کے پیر:**

مسلمانوں میں پیروں کی بڑی تعداد تھی "جو ان کے بارے میں اپنے دنیاوی قصے بیان کیا کرتے تھے۔" پلسیرٹ کا بیان ہے کہ وہ لوگ اس طریقے سے وہ اپنے فرقے کو حق بجانب ثابت کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ " دنیاوی ہر ایک بادشاہ کا شہزادوں اور امیروں پر مشتمل باقاعدہ ایک دربار ہوتا تھا اور بڑی احتیاط اور دیکھ بھال کر ان میں سے ہر ایک کو ان کی انتظامی صلاحیت کے مطابق ملازمت دی جاتی ہے اور یہ کہ کسی شخص کو بادشاہ تک اس وقت تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی ہے جب تک ان ملازمین میں سے کوئی شخص اس کی وساطت نہ کرے اور اسطرح دلالت کرتے ہیں کہ اس مثال کے مطابق خدا کے دربار میں بھی ایک شخص کی شفاعت کے لئے اس کی طرف سے کوئی پیروکار ہونا چاہیئے۔ جو اس کی درخواست پیش کرے اور اسکی خواہش کے مطابق اس کی عرضی منظور کی جانے کے بارے میں ایک حکم حاصل کرے۔" پلسیرٹ نے ان تینوں پیروں کو قابل ذکر لکھا جن میں شہزادہ خسرو بھی شامل ہے۔

**شیخ معین الدین چشتی اجمیری:**

اجمیر میں وہ ایک "بہت قیمتی مقبرے میں مدفون تھے۔ دور دور سے زائرین اس درگاہ میں حاضری دیتے تھے۔ بیشتر لاولد لوگ اجمیر تک ننگے پیر پیدل سفر کر کے آتے تھے۔ پلسیرٹ

نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنی بیوی مریم مکانی کو ساتھ لیکر اکبر آگرہ سے وہاں ننگے پیر پیدل گیا تھا۔

## شاہ مدار :

آگرہ سے ۷ کوس کی دوری پر مکھن پور میں ان کا روضہ واقع تھا۔ ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ انھیں بہت سے کمالات حاصل تھے اور بہت سے کرشموں کا وہ مظاہرہ کیا کرتے تھے۔" ماہ فروری میں زائرین ان کی درگاہ پر حاضری دیتے تھے۔ تمام علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ بڑی تعداد میں لوگ فتح پور سیکری میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے" ایک فوج کی طرح روانہ ہوتے تھے جن میں بڑی ایک تعداد میں فقراء بھی شامل ہوتے تھے۔ یہ لوگ علموں (نیزوں) کے سائے میں چلتے تھے۔

## شہزادہ خسرو :

پلسیرٹ کا بیان ہے کہ اس نے شہزادہ کو اس کی زندگی میں دیکھا تھا۔ برہانپور کے قلعہ میں خرم کی ترغیب پر" اسے قتل" کر دیا گیا تھا۔ قدرتی طور پر اس کی موت کو ثابت کرنے کے لئے رضا نامی ایک غلام نے" لنگی باندھ کر اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔" اس کی نعش آگرہ لائی گئی اور وہاں سے الہ آباد لے جائی گئی جہاں اس کی ماں کے بغل میں اسے دفنا دیا گیا۔ عوام اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ آخری سفر کے دوران راستے کے وقت جس مقام پر اس کا جنازہ رکھا گیا تھا وہاں ایک مقبرہ تعمیر کروا دیا گیا تھا۔ ہر جمعرات کو لوگ وہاں زیارت کو جایا کرتے تھے۔ ایسی درگاہیں برہانپور، سرونج، آگرہ اور الہ آباد میں قائم کی گئیں"۔ ہر جمعرات کو ایک جلوس کی صورت میں دونوں ہندو اور مسلمان اپنے ساتھ جھنڈے، شہنائی اور نقارہ لے کر اس کی زیارت کو جاتے تھے،" لوگوں کا یہ ایک عقیدہ تھا کہ وہ "سچا ایک پیر ہے" اس شہید شہزادے کی سر کی قسم کھا کر لوگ حلفیں لیا کرتے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر نے آگرہ کی درگاہ میں زیارت کے لئے جانے والوں پر پابندی لگا دی تھی۔ آگرہ کے صوبہ دار قاسم خاں نے" اس درگاہ کو برباد کر دیا، اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ جسکی تعمیر میں بڑی لاگت آئی تھی"۔ مجاوروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مار بھگایا گیا۔ اور جو چیز بھی وہاں ملی اسے ضبط کر لیا گیا۔

## ایسی درگاہوں پر میلے ٹھیلے :

پلسیرٹ رقمطراز ہے کہ بادشاہ کے محولا بالا حکم سے تین قسم کے لوگ۔ فقراء علوی

پردہ نشین خواتین۔ زد میں آ گئی تھیں۔

شہدوں کی طرح "سڑکوں پر فقراء کا ہجوم ہوتا تھا۔ وہ لوگ اتنی بڑی تعداد میں ہوتے کہ کوئی بھی شخص بلا پریشانی کے ایک گز آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ وہ لوگ سلطان کے سر کے نام پر بھیک مانگتے تھے۔ اس دن انہیں اتنا زیادہ مل جاتا تھا کہ ہفتے بھر کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ سڑکوں کے کنارے حلوائی مٹھائی بیچا کرتے تھے۔ کھلونے والے کھلونے لئے ادھر ادھر پھرتے تھے کیونکہ بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ خریدے بنا کوئی شخص واپس نہیں جاتا تھا۔ مداری، رقاص اور بھانڈ بھی لوگوں کا دل بہلانے کے لئے وہاں جمع ہوتے تھے۔ اتنا بڑا مجمع اور بھیڑ کر دینے والا لوگوں کا اس طرح کا شور و غل کسی دوسری جگہ دیکھنا یا ملنا ناممکن تھا۔ پلسیرٹ کی رائے میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ عورتیں تھیں جو درگاہوں کی زیارت کرنے کے بہانے "بلا شرم و حیا اپنے عاشقوں سے ملنے اور ان سے معاشقہ کی باتیں کرنے کے لئے باہر نکلا کرتی تھیں"۔

## رمضان :

پورے قمری مہینہ میں "سختی" سے روزے رکھے جاتے تھے۔ دن کو مسلمان کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ جب ستارے دکھائی دینے لگتے تھے تو وہ کھاتے تھے۔ "پورے مہینے" وہ اپنی بیویوں سے الگ سوتے تھے۔ نہ ہی وہ شراب پیتے تھے۔

## عید الفطر :

رمضان کے مہینے کے آخر میں عید کا تہوار ہوتا تھا۔ اس دن صبح سویرے وہ لوگ عیدگاہ جاتے تھے۔ جو شہر کے باہر واقع ہوتی تھی۔ وہاں قاضی نماز پڑھاتا تھا۔ "ہر طبقے کے لوگ بڑی مسرت، بڑے لوگ پورے کر و فر کے ساتھ اور غربا صاف ستھرے سفید کپڑے پہن کر، وہاں جمع ہوتے تھے مبارکبادی کی علامت کے بطور دوستوں اور احباب کے گھروں میں کھانا بھیجا جاتا تھا۔ اس مخصوص دن میں ہر شخص "بہت خوش و خرم" دکھائی دیتا تھا۔

## عید الاضحیٰ

عید الفطر کے ستر دنوں کے بعد یہ تہوار منایا جاتا تھا۔ یہ تہوار اللہ تعالیٰ کے اس رحم و کرم کی

یاد میں منایا جاتا تھا جو انھوں نے ابراہیم علیہ السّلام پر کیا تھا جنھوں نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السّلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا عہد کیا تھا۔ اس دن ہر ایک صاحب حیثیت اپنے گھر میں بکرے کی قربانی کرتا تھا۔ ان تین دنوں کے دوران شادیاں نہیں ہوا کرتی تھیں۔

**محرم:** وہ لوگ حسنؑ اور حسینؑ کی "شہادت" کی یاد میں دس دنوں تک ساری رات "آہ و بکا" کیا کرتے تھے۔ ان دنوں میں مرد اپنی بیویوں سے الگ رہتے تھے اور سارا دن روزہ رکھتے تھے۔ عورتیں مرثیہ پڑھا کرتی تھیں۔

شہر کی خاص گلیوں میں وہ اپنے ماتم کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ "تعزیے" بناتے تھے۔ جنھیں جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا وہ پُر تکلف طریقے پر بناتے اور آراستہ کرتے تھے۔ "بڑے ہجوم اور روشنیوں کے ساتھ شام کو وہ ان تعزیوں کو نکالتے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ آہ و بکا اور ماتم بھی کرتے جاتے تھے۔" "مخصوص تعزیہ داری عاشورہ کی شب میں ہوتی تھی۔" ان کا شور و شغب دوسرے دن دوپہر تک جاری رہتا تھا جب وہ تعزیوں کو ندی کے کنارے لے جاتے تھے۔ تعزیہ داروں کی دو جماعتوں کا اگر آمنا سامنا ہو جاتا تو وہ ایک دوسرے کو آگے نہ بڑھنے دیتے۔ اگر دونوں گروہ ہم پلہ ہوتے تو وہ ایک دوسرے کو اس طرح قتل کر دیں گے جیسے کہ وہ میدان جنگ میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔" ان کی جان نہ چلی جائے یا وہ زخمی نہ ہو جائیں۔ کوئی ہندو اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ جب تک تعزیوں کو دریا میں ٹھنڈا نہ کر دیا جاتا اس وقت تک ماتم اور آہ و زاری جاری رہتی تھی۔

وہ لوگ اس ندی میں غسل کرتے "عمدہ لباسوں میں ملبوس" گھروں کو واپس آتے اور اپنے والدین یا احباب کی قبروں پر جاتے۔ اس موقع کے لئے وہ اپنے گھروں میں سفیدی کرواتے اور انھیں سجاتے۔ وہ قبروں پر پھول چڑھاتے اور غربا میں کھانا تقسیم کرتے۔ پلیسرٹ نے دسویں محرم کا مقابلہ پوپ پرستوں یا کیتھولک فرقے کے روح رواں کی شہادت کے دن سے کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ "ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس دن مُردوں کے نام سے جو خیراتیں دی جائیں گی اور کار خیر کئے جائیں گے۔ اس کا انہیں ثواب پہونچے گا چاہے وہ جنت میں ہوں یا دوزخ میں۔"

(باقی آئندہ)

# وفیات

آہ! حضرت جی!

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ کو تبلیغی جماعت کے سربراہ حضرت مولانا انعام الحسن عارضہ قلب میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؁

امیر تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کے اچانک انتقال کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے کاندھوں پر امیر جماعت کی ذمہ داریاں رکھی گئی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی ان ذمہ داریوں کو پوری لگن وجانفشانی کے ساتھ جس طرح انجام دیا ہے اس سے ان کی شہرت تمام عالم اسلام میں پھیل گئی۔ جس جماعت کو اپنے ابتدائی دور میں طرح طرح کی مشکلات و بدگمانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور جس سے تبلیغ کے عظیم الشان کام کو انجام دینے میں بڑی ہی تکلیفیں اٹھانی پڑتی تھیں وہ کسی قدر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی حسن خوبی وطریقہ کار کی وجہ سے کم ہوگئیں۔ اگرچہ بدگمانیوں اور من گھڑت قصے کہانیوں کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے۔

تبلیغ اسلام دین کا اہم کار خیر ہے اسمیں جن جن مشکلات و تکالیف کا سامنا کرنے پڑے اس سے کسی بھی دیندار کو گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولانا انعام الحسن کی رہنمائی میں جماعت سے منسلک حضرات اس بات کو سمجھتے ہوئے دعوت تبلیغ کے کاموں میں ہمیشہ مستعد عمل رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ رہیں گے۔ مولانا بڑے ہی نیک طبیعت شریف النفس ملنسار اور حسن اخلاق کے پیکر مجسم تھے ان کی عوام وخواص میں مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ تمام حضرات انہیں ان کے اصلی نام سے کم اور حضرت جی کے محترم المقام القاب سے زیادہ واقف تھے۔ ان کی ناگہانی موت سے ایک عظیم خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تبلیغی جماعت کے کسی بھی کام میں ان کی عدم موجودگی سے رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ موت کا ایک دن معین ہے اس لئے موت سے تو کسی کو بھی مفر نہیں ہے۔ لیکن بعض ہستیاں جو ہم جیسے بے بضاعت و نابکار کے درمیان میں سے یکا یک اٹھ جاتی ہیں تو دل و دماغ پر زلزلہ کی طرح اثر پڑتا ہے جس کی تلافی مدتوں تک مشکل ہی سے ہو پاتی ہے۔ حضرت جی ان ہی ہستیوں میں سے ایک

تھے جن کی موت نے ہم سب کو غم و صدمہ کے اتھاہ سمندر میں ڈبو دیا ہے جس سے نکلنا بڑا ہی مشکل نظر آرہا ہے۔ مرحوم حضرت جی کے جنازہ میں لاکھوں کا جم غفیر تھا اور نماز جنازہ بھی لاکھوں نے نہیں تو ہزاروں مومنین نے یقیناً پڑھی۔ حضرت مولانا مرحوم و مغفور نے تمام عمر دین اسلام کی خدمت میں گذاری جس سے یہ اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں کہ حضرت جی ولی اللہ تھے۔ مقبول بندۂ خدا تھے اور ایسے مقبول بندۂ مومن کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اللہ رب العالمین ہم سب کو حضرت جی کی موت پر صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

## نوابُ محمد سلطان یار خاں بھی ہم سے بچھڑ گئے

دہلی کی دراز قد اور دراز و ممتاز شخصیت جناب نواب محمد سلطان یار خاں صاحب بروز جمعرات و جمعہ کی شب ۱۵ اور ۱۶ رجون ۹۵ء کو رات ساڑھے بارہ بجے دل کا دورہ پڑنے کے سبب خدا کو پیارے ہوگئے۔ مرحوم ۸۳ برس کے تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے وکالت میں ان کا اہم مقام تھا۔ جنگ آزادی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، مولانا حسین احمد مدنی صاحب، حکیم اجمل خاں صاحب، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کے ہم عصروں میں سے تھے۔ جذبہ خدمت خلق اور اعلیٰ سوجھ بوجھ کی وجہ سے نواب صاحب کی رائے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ ڈاکٹر حسین صاحب نے مرحوم بچوں کے گھر کی سرپرستی کے لئے بطور چیئرمین نامزد کیا تھا اور تاحیات بچوں کے گھر کے چیئرمین کی حیثیت سے وہ خدمت انجام دیتے رہے اور بچوں کے گھر کو ایک مثالی ادارہ بنانے میں انتھک کوششیں کیں۔

ادارہ برہان کے بانی مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ کے زمانے سے ہی وہ ادارے کے ہمدرد رہے اور مفتی صاحب رحؒ کے انتقال کے بعد احقر عمید الرحمٰن عثمانی سے سرپرستی کا تعلق رہا۔ احقر کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لیتے تھے اور ہمیشہ ہر معاملے میں احقر کے حامی رہے۔

پسماندگان میں چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ ادارہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ خداوند کریم اپنی رحمت سے نواب صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔